مذہبِ سرمایہ داری

Capitaligion



نعمان نیئر کلاچوی

مذہبِ سرمایہ داری

Captaligion

نعمان نیئر کلاچوی

نام مقالہ	مذہبِ سرمایہ داری
مصنف	نعمان نیئرؔ کلاچوی
ناشر	مرشد پبلی کیشنز، کلاچی، ڈیرہ اسماعیل خان
پی ڈی ایف ایڈیشن	جون، 2024

فہرست

پیش گفتار

زندگی وہ نہیں جو ہمارے دماغ میں گھوم رہی ہے یعنی جیسا کہ ہم سوچ رہے ہیں بلکہ زندگی وہ ہے جو ہم جیل رہے ہیں یعنی بسر کر رہے ہیں۔ مروجہ مذاہب، فلسفہ، اخلاقیات اور محبت و تعلق یہ تمام اعلیٰ ترین اقدار یا ضابطے کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی موقع پر ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں پر یہ ایک دم لایعنی معلوم ہوتے ہیں۔ لایعنی مطلب کسی کام کے نہیں رہتے۔

لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے؟۔ کیونکہ ہمارے پاس پیسے نہیں ہوتے یعنی ہماری معیشت (Economy) تباہ ہوتی ہے یا پھر ہمارے پاس پیسے ختم ہو جاتے ہیں۔ جی ہاں پیسہ۔ صرف اور صرف پیسہ۔ آخر کیا بلا ہے یہ پیسہ؟۔ پیسہ بلا نہیں بلکہ تمام بلاؤں سے نجات کی کنجی ہے۔ تو کیا یہ ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے اور کیا یہ پاس ہو تو سب کام ہو جاتے ہیں؟۔ جی ہاں۔ اِس سے ضروری کچھ نہیں اور یہ پاس ہو تو تقریباً ننانوے فیصد کام ہو جاتے ہیں۔

موت سے کسی کو فرار نہیں لیکن اگر پیسہ پاس ہے تو موت کو مؤخر ضرور کیا جا سکتا ہے۔ بیماری کا خاتمہ بھی ممکن ہے اور بیماری کو غیر مؤثر بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہر خوشی جو کوئی نہ کوئی قیمت رکھتی ہے پیسہ پاس ہے تو آرام سے

خریدی جا سکتی ہے کیونکہ ہم اِس وقت مذہبِ سرمایہ داری یعنی Capitaligion کے پُجاری ہیں اور ہماری اِس دنیا میں آج سارا کچھ صرف For Sale یعنی برائے فروخت ہے۔

ہم آج صرفیت یعنی Consumerism کے دور میں جی رہے ہیں جہاں پیسہ پاس ہو تو ہم سب کچھ خرید سکتے ہیں۔ سب کچھ بولے تو سب کچھ مثلاً اقدار یعنی Values جن میں ضمیر، محبت، تعلق، انسانیت، سچائی، ایمانداری حتیٰ کہ انسانی جسم وغیرہ جبکہ اجناس یعنی Commodities میں جو کچھ اِس پوری دنیا میں موجود ہے شامل ہے۔

پس پیسہ پاس ہے تو جا کر خرید لیجئے اور اگر کسی بڑے سٹور پر جائیں گے تو رعایتِ خاص یعنی Special Discount بھی مل جائے گا۔ یہ ہے ہماری فروخت کی دنیا۔ اب ایسی دنیا میں حقیقی کارساز تو خدا قادرِ مطلق کو ہونا چاہیئے۔ جی ہاں ہونا چاہیئے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہاں تو حقیقی کارساز صرف سرمایہ ہی ہے۔ بھلے آپ یہ کہہ دیں کہ فی الحقیقت خدا ہی کارساز مطلق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آپ اپنے اِس دعویٰ کو ثابت کیسے کریں گے بالخصوص ایسی صورت میں جب آپ بُھکّھے بنگالی (مفلوک الحال) ہوں؟۔

خیر مذہبی بحث رہنے دیجئے اگر مذہب کے مطالعہ کا اشتیاق ہو تو ملاحظہ کریں میرا مقالہ "ایمان"۔

واپس آ جاتے ہیں اپنے موضوع کی جانب۔ ہم بات کر رہے ہیں پیسہ کی۔ پیسہ یعنی کرنسی۔ بھلے کوئی بھی ہو لیکن اگر یہ کرنسی ڈالر ہو تو پھر وارے نیارے ہو گئے۔ آجکل قریباً دو سو اَسّی روپے کا ایک ڈالر مل رہا ہے اور اگر یہ کرنسی لاکھوں میں پاس ہو تو پھر آخرت کا تو نہیں معلوم لیکن دنیا تو سُدھر گئی آپ کی اور اپنی اِسی دنیا کو سُدھارنے کے چکر میں آج ہم نے ڈالر کو خدا بنا دیا۔ ایک ایسا خدا جو مطلق کارساز ہے۔ جس کا پاس ہونا گویا پوری کائنات کا پاس ہونا ہے اور جس کا دور ہونا گویا دنیا کی تمام تر ذلالتوں میں مبتلا ہونا ہے۔

یہاں یہ بتانے کا موقع نہیں کہ انسان کس طرح گزشتہ پانچ ہزار سالوں میں مذہبی تصورات بدلتا رہا لیکن ہماری آج کی دنیا میں جو خدا کا تصور راج کر رہا ہے وہ تو بلاشک وشبہ پیسہ ہے۔ آپ دیندار ہوں یا لادین اب کچھ خاص فرق نہیں پڑتا بلکہ فرق تو پڑتا ہے کہ آپ کے پاس پیسہ ہے یا کنگلے ہیں؟۔

پیسہ ہے تو پھر بحث ختم۔ نہیں تو ہے تو پھر بھی بحث ختم کیونکہ کنگلے کو آج کون منہ لگاتا ہے۔ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ پیسہ ہوتا کیا ہے چنانچہ

اِس کی حقیقت سمجھنے کیلئے کوئی ڈپلومہ یا کورس نہیں کرنا پڑتا بلکہ ایک چِٹا اَن پڑھ دیہاتی بھی اِس کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہماری سرائیکی زبان کی ایک معروف کہاوت ہے۔ع

جیں دے گھر اِچ دانٹے

اُوندے کملے وی سیانٹے

یعنی امیر گھر کے پاگل بچے بھی ذہین ہوتے ہیں۔ اگر ہم گزشتہ پانچ ہزار سالہ انسانی تاریخ پر ایک اُڑتی نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے بیچ اگر کوئی واحد سببِ جنگ اور قتل و غارت کارہاہے تو وہ صرف اقتدار یا سرمایہ ہے۔ اصل میں اقتدار بھی دوسروں کے معاشی وسائل پر قبضے ہی کا نام ہے جس میں سب سے پہلے مال و زر ہاتھ لگتا ہے۔

یعنی حال کچھ یوں ہے کہ جسے ہم مذہبی جنگیں کہتے ہیں اگر اُنہیں بھی بہت گہرائی میں جاکر کریدیں تو اِن کے پیچھے بھی سرمایہ گیری کے علاوہ کوئی دوسرا خاص سبب نظر نہیں آتا۔

چونکہ یہ مسئلہ ذرا حساس ہے اِس لئے اِسے ذرا اچھے سے سمجھنا ہوگا۔ مذہبی جنگ اپنی اصل میں ایک نظریہ یا عقیدہ پر کھڑی ہوتی ہے یعنی کچھ لوگ کچھ

دوسرے لوگوں کو اپنے نظریہ یا عقیدہ کا پابند کرنا چاہتے ہیں اور اگر وہ پابند ہو جاتے ہیں تو یہ اپنا سیاسی غلبہ اُن پر قائم کر لیتے ہیں اور اگر نہیں ہوتے تو یہ اُنہیں حتیٰ الوسع نیست و نابود کر دیتے ہیں اور ایسی صورت میں کبھی کبھار تو پوری کی پوری تہذیبیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں اور پھر اُن کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔ مثالیں گوگل کر لیں کیونکہ گوگل کے زمانے میں اب حوالہ جاتی کام یعنی Reference Work غیر ضروری ہو گیا ہے۔ چنانچہ یہ مقدس مذہبی جنگیں بھی اقتدار اور غلبہ تک رسائی حاصل کرنے کی محض انسانی کوششیں ہوتی ہیں جنہیں زمین پر خدا کا غلبہ کہہ دیا جاتا ہے۔

میں اکثر کہتا رہتا ہوں کہ جنگجو کا مذہب وسائل پر قبضہ، لُٹیرے کا مذہب لُوٹ کھسوٹ، غاصب کا مذہب غصب، ڈاکو کا مذہب ڈکیتی ہے۔ یہ تو بھلا ہو خدا قادر مطلق کا جس نے انسانوں میں سے کچھ لوگوں کو منتخب کر کے سیدھی راہ دکھادی ورنہ اِس دنیا میں جو تھوڑی بہت خیر باقی ہے اِس کا بھی وجود نہ ہوتا اور ہماری دنیا آج سراپا قہر ہوتی۔

تاریخ در حقیقت غاصبین اور مقتدر جتھوں کا حال ہے۔ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری تاریخ یعنی انسانی تاریخ دراصل ظالموں کی بڑی دلفریب سرگزشت ہے یعنی کہیں غیر مقدس ظالم تو کہیں پُوجے جانے

والے مقدس ظالم ہی ہماری تاریخ ہیں۔ معاملہ یہاں تک ہوتا تو بھی بہتر تھا لیکن معاملہ تو اِس سے بھی بدترین ہے کہ ہمیں جو تاریخی شعور میسر ہے اُس کے مطابق ہم ظالم اور سفّاک کو اپنا ہیرو مان بیٹھے ہیں۔

یہ ایک عالمگیر انسانی المیہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سرمایہ یا اقتدار ہی وہ دیرینہ خدا ہے کہ جس کی ہم نے ہر زمانے میں پورے اخلاص کے ساتھ سچے دل سے عبادت کی ہے۔ نہ صرف اتنا بلکہ اس عظیم خدا کا کبھی کوئی شریک بھی نہیں ٹھہرایا کہ جب کبھی اِس کے مقابلے میں کوئی خدائی ہدایت سامنے آئی تو ہم نے اُسے مسترد کرتے ہوئے بہتیری کوشش کی کہ خدائے سرمایہ یا اقتدار کی نافرمانی نہ ہو۔ لادینیت کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ ع

یہ ہماری سعی پیہم کی کرامت ہے کہ آج

صوفی و مُلّا ملوکیت کے بندے ہیں تمام

حالانکہ ہم اگر انبیاء کرامؑ کی بات مان لیتے اور سرمایہ کو صرف دنیاوی زندگی میں برتنے کی ایک شے سمجھ لیتے تو آج ہماری یہ دنیا جنت ہوتی۔ خدا نے اپنا پیغام پوری حفاظت و ذمہ داری کے ساتھ بار بار پہنچایا اور آخر میں یہ پیغام قرآن کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے لیکن اگر ہم اِس پیغام کو شعوری یا

غیر شعوری طور پر یکسر مسترد کر دیں تو پیچھے کیا بچتا ہے، یہی نا کہ سرمایہ کو خدا بنانا؟۔ خدا نے تو اعلان کر دیا ہے کہ سرمایہ خدا نہیں بلکہ دنیاوی زندگی میں برتنے کا ایک خوبصورت وسیلہ ہے اور اگر کچھ اصل ہے تو وہ اعمالِ صالحہ ہیں جو انسان دنیاوی زندگی میں سرانجام دیتا ہے۔

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاۚ-وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا-(سورہ الکہف۔ آیت 46)

"مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی رونق ہیں اور باقی رہنے والے نیک اعمال تیرے ربّ کے نزدیک ثواب اور اُمید دونوں اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں۔"

اِس مختصر احوال کے بعد میرا خیال ہے کہ قاری سمجھ گیا ہو گا کہ پیسہ یا سرمایہ کی حقیقت کیا ہے۔ مزید وضاحت آئندہ کے موضوعات میں ملاحظہ کریں۔

فقیر

نعمان نیئرؔ کلاچوی

25 جون، 2024

معاشی خدا Theomoney

مذہبِ سرمایہ داری کا خالق

زرِ فرمان Fiat Currency یا مصنوعی دولت کو سمجھنے سے قبل ضروری ہے کہ ہم پہلے حقیقی دولت کو سمجھ لیں۔ انسان کے پاس اعصاب ہیں اور انسان جب اِنہی اعصاب کو بروئے کار لاتا ہے تو محنت واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ محنت واقع ہوتی ہے تو اُس کا نتیجہ سامنے آتا ہے۔ پس وہ نتیجہ حقیقی دولت ہے۔ بہت ضروری ہے یہ سمجھنا کہ دولت صرف اعصابی محنت کے وسیلے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایک دوسری قسم بھی دولت کی ہے جو ہمارا ذہن یا روح پیدا کرتی ہے اور یہ اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم انسانی اقدار کو بروئے کار لاتے ہیں۔

چنانچہ فیکٹری میں دس گھنٹے کام کرنے والا انسان اپنے اعصاب کو بروئے کار لاتے ہوئے چند روپے کماتا ہے اور وہی انسان جب گھر آکر اپنے بچوں کو گلے لگاتا ہے تو اُس کے بچے جو دولت اپنے پاس محسوس کرتے ہیں اُسے احساسِ محبت کہتے ہیں۔ پس ایمان، علم، سچائی، دیانتداری، روشن ضمیری اور محبت و تعلق بھی انسانی دولت کی مختلف اقسام ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا

پڑتا ہے کہ آج یہ دولت غیر مؤثر ہو کر صرف اُسی ایک دولت میں ضم ہو گئی ہے جسے ہم روپے پیسے کہتے ہیں۔

زندگی واقعی بہت مشکل ہے اگر انسان ایمان سے تہی ہو اورانسان کی تباہی کیلئے اتنا بہت کافی ہے کہ وہ ایمان سے فارغ ہو جائے، پس ایسی صورت میں انسان ایک ایسا جانور بن جاتا ہے جس کی کُل جہد صرف حیوانی بقاء پر منحصر ہو جاتی ہے اور حیوانی بقاء کیلئے سرمایہ سے بڑھ کچھ نہیں۔

دولت کی اصلیت سمجھنے کے بعد ضروری ہے کہ اب ہم زرِ فرمان کو سمجھ لیں کہ یہ کیا بلا ہے۔ زرِ فرمان دراصل ایک مصنوعی دولت ہے جسے ایک سیاسی مقتدرہ یعنی Political Establishment وضع کرتی ہے تاکہ وہ اپنے لوگوں کو معاشی طور پر کنٹرول کر سکے۔ یہ جو اصطلاح مہنگائی یعنی Inflation اکثر سننے میں آتی ہے یہ دراصل اِسی مصنوعی دولت کی وافر مقدار کے سبب نازل ہوتی ہے جس کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہوتی بلکہ کاغذ کے رنگین ٹکڑے چھاپ کر ہم دولت پیدا کر رہے ہوتے ہیں۔

ہم جان چکے کہ اصل دولت یا تو انسانی محنت ہے یا پھر اخلاقی قدر ہے لیکن اب ہم یہ جان کر یقیناً پریشان ہو جائیں گے کہ اِس وقت جو دولت انسانی

معاشروں میں گردش کر رہی ہے وہ نہ تو محنت ہے اور نہ ہی کوئی اخلاقی قدر بلکہ یہ ایک خالصتاً مصنوعی دولت ہے جو ہم کاغذ کے ایک ٹکڑے پر چھاپ کر پیدا کر رہے ہیں۔ جی ہاں۔ میں بات کر رہا ہوں کرنسی نوٹ کی۔ کرنسی نوٹ بھی چلیں کچھ ایسا تو تھا جو ہاتھ آ جاتا اب تو ہندسہ جاتی دولت یعنی Digital Money اور توہمی دولت یعنی Cryptocurrency نے تو دولت کو محض ایک افسانہ بنا دیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آج انسان ماضی کی طرح اپنے اعصاب سے کام نہیں لیتا بلکہ سمارٹ ورک کر کے یعنی اپنے ذہن کو استعمال کر کے یہ افسانوی دولت کماتا ہے۔ چنانچہ اب زیادہ تر محنت انسان کی بجائے مشین کرتی ہے اور انسان صرف اپنا ذہن استعمال کر کے یہ افسانوی دولت کما رہا ہے۔ لیکن یہ کوئی قابلِ اعتراض معاملہ نہیں ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ آج کا انسان مصنوعی دولت کو خدا بنا بیٹھا ہے جسے میں Theomoney کہتا ہوں۔ معاشی خدا یعنی یہ مصنوعی دولت کسی زمانے میں اِس طرح مصنوعی نہیں تھی جس طرح آج ہے۔ چنانچہ جس طرح حقیقی دولت انسانی محنت اور اخلاقی قدر ہے بالکل ایسے ہی دو سو سال قبل تک حقیقی دولت صرف سونا یعنی Gold اور مختلف قسم کے ہیرے جواہرات

یعنی Diamonds and Gems ہوا کرتے۔ چونکہ اُنیسویں صدی عیسوی میں بادشاہی نظام کا مکمل خاتمہ ہو گیا اور اِس کی جگہ سیاسی مقتدرہ نے لے لی تو اب ہیرے جواہرات اور سونا محض ایک قدیم اثاثہ جات یعنی Antiques کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

دولت حقیقی ہو یا بھلے مصنوعی یہ عمل تو انسانی ضرورت کے پیشِ نظر نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن دولت کو خدا بنانے کا جو رواج اب چل پڑا ہے اِس سے سمجھوتہ کرنا ایک حساس انسان کیلئے ممکن نہیں رہا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ روایتی مذاہب اب آخری سانسیں لے رہے ہیں اور اِس زمینی حقیقت کو سمجھنے کیلئے آپ کو پہلی دنیا یعنی First World کی طرف دیکھنا ہو گا جہاں مذاہب محض ایک افسانہ بن چکے ہیں اور عام لوگ اب مذہب کو صرف ایک کلچر کی حیثیت سے اپنائے ہوئے ہیں۔

لوگ نہ تو خدا قادر مطلق کی کوئی معرفت رکھتے ہیں اور نہ ہی ایمان کی حقیقت سے واقف ہیں۔ مذہب کو وہ ایک رسم کی حیثیت سے تو اپنائے ہوئے ہیں لیکن عملی زندگی میں پوری طرح سیکولر ہیں یعنی من موجی۔ یہی حال اِس وقت قریباً پوری پہلی اور تیسری دنیا کا ہے۔

ایک عام اندازے کے مطابق تقریباً دو ارب سے زائد لوگ آج اعلانیہ طور پر مذاہب کے منکر ہو چکے ہیں۔ مذہب سے کلیتاً انکار ایک غیر منطقی حرکت ہے لیکن جدید دنیا جس کے پاس وسائل کے انبار لگ چکے ہیں شعور و منطق سے زیادہ ذاتی مفاد یعنی Vested Interest کی طرف رغبت رکھتی ہے۔

چنانچہ اب ایک ایسے قادر مطلق خدا پر شعوری یقین جو کبھی انسان کا مواخذہ کرے گا اور انسان سے اپنے ہر کئے کا حساب لے گا بالکل ختم ہو چکا ہے۔ یعنی لامذہبی تو ایک طرف خود مذہبی معاشروں میں بھی اب قادر مطلق خدا پر شعوری ایمان اور روزِ محشر اُس کے حضور جوابدہی کا یقین قریباً ختم ہو چکا ہے۔ اگر کچھ باقی ہے تو محض مصنوعی پُوجا پاٹ یا قصے کہانیوں کی جگلری جن سے مولوی اور پیر صاحبان کی روٹی روزی خوب چل رہی ہے۔

میں نے دولت کو خدا کہہ دیا تو یہ کوئی اَزراہِ تفنن یا گپ نہیں ہے بلکہ آج ہمارا ہر ہر عمل یہ ثابت کر رہا ہے کہ ہم اِس وقت جس خدا کے حضور سربسجود ہیں وہ اِس کائنات کا قادر مطلق خدا نہیں بلکہ مصنوعی دولت کا خدا یعنی Theomoney ہے۔ Theo مطلب خدا اور Money مطلب دولت۔ چنانچہ یہ معاشی خدا ہی ہماری تمام تر سرگرمیوں کا واحد سزاوار ہے اور ہم اِس کے سچے اور دیانتدار بندے ہیں۔

گویا آج کا انسان صرف ایک ہی معاملے میں حقیقی طور پر عبادت گزار ہے اور وہ ہے معاشی خدا کی عبادت گزاری۔ آپ اِن جملوں کو پڑھنے کے فوری بعد اپنے آس پاس نظر دوڑائیں اور کوئی ایک ایسا نیک نفس ڈھونڈیں جس کا عمل نہ کہ سوچ یا عقیدہ اِس اَمر کی گواہی دے رہا ہو کہ یہ معاشی خدا سے ہر لحاظ سے نہ صرف منقطع ہے بلکہ وہ مصنوعی دولت کا سرے سے کوئی شعور ہی نہیں رکھتا اور نہ ہی اِسے کوئی اہمیت دیتا ہے۔ نہیں ڈھونڈ پائیں گے اور نہ ہی کوئی ملے گا کیونکہ اگر آپ اپنے ہی گھر سے شروع کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ دو بھائی جن میں سے ایک صاحبِ روزگار اور دوسرا قلاّش ہے تو اُس دوسرے بھائی کے سگے ماں باپ بھی اُس کی عزت نہیں کریں گے اور اُسے کوئی بھاری بھرکم بوجھ سمجھ کر جھیل رہے ہوں گے۔ پس یہ آج انسانی سماج کی ناقابلِ تردید حقیقت ہے بھلے پھر وہ کیلی فورنیا کا سماج ہو یا پھر مسجدوں کے شہر کامونکی کا۔

مصنوعی دولت اگر خدا ہے تو اِس خدا کی کوئی مسجد یعنی عبادت گاہ بھی تو ہونی چاہئے۔ بالکل درست۔ آئندہ موضوع میں آپ نہ صرف یہ جانیں گے کہ معاشی خدا کی عبادت گاہ کونسی ہے بلکہ یہ بھی جان لیں گے کہ کیسے اِس عبادت گاہ سے معاشی خدا کا ظہور ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

معاشی عبادت گاہ Capitalurch

معاشی خدا کا مقامِ ظہور

گزشتہ موضوع میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ مصنوعی دولت یعنی معاشی خدا کی حقیقت کیا ہے۔ اب اِس موضوع میں ہم جاننے کی کوشش کریں گے کہ معاشی خدا کا ظہور کہاں اور کیسے ہوتا ہے۔

معاشی خدا کی جائے پیدائش دراصل Bank ہے جسے اُردو میں ہم مالیاتی اِدارہ کہتے ہیں۔ بینک کے جوہری ڈھانچے یعنی Structure کو سمجھنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اِس کے پیچھے بہت تگڑی اور نہایت پیچیدہ قسم کی نفسیات کارفرما ہے جسے ایک عام ذہین بھی سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔

بینک یعنی معاشی خدا کی عبادت گاہ جہاں بندگانِ سرمایہ دن میں آٹھ گھنٹے مسلسل عبادت کرتے ہیں درحقیقت کوئی مالیاتی اِدارہ ہے ہی نہیں بلکہ مصنوعی یا جعلی دولت یعنی Fiat Currency پیدا کرنے کی ایک خالی عمارت ہے جس کے پاس اپنا ذاتی نہ تو کوئی سرمایہ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی معاشی اقتدار۔ سرکاری معاشی عبادت گاہ یعنی The State Bank دراصل کسی بھی سیاسی مقتدرہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ

کوئی بھی ریاست چاہے وہ سیکولر ہو، نیم مذہبی ہو یا ملوکیت پر مبنی دراصل اِسی عبادت گاہ میں معاشی خدا کو وجود بخشتی ہے۔ آپ پڑھ آئے ہیں کہ مصنوعی دولت دراصل حقیقی دولت نہیں ہے چنانچہ آج بھی حقیقی دولت مطلب وہ جمع پُونجی یعنی Bank Reserves ہے جو سونے کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہوتی ہے۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج بھی غیر اعلانیہ طور پر اصل دولت سونا ہی ہے لیکن چونکہ اِس کے وسیلے سے کسی بھی سیاسی مقتدرہ کا اپنی عوام پر کنٹرول ممکن نہیں رہتا اِس لئے پوری دنیا میں بینک کے ذریعے ایک جعلی دولت پیدا کی جاتی ہے تاکہ عوام چند مقتدر سرمایہ داروں کی معاشی غلام بنی رہے۔

بینک کی گمراہ کُن حکمتِ عملی کو سمجھنے سے قبل اگر ہم مختصر تذکرہ انسانی ضروریات کا کر لیں تو آئندہ کی بحث میں کوئی اِبہام باقی نہیں رہے گا۔ انسان کی بنیادی ضروریات تو محض روٹی، کپڑا اور مکان ہیں۔ اِس کے بعد صحت اور تعلیم ہے۔ یعنی روٹی، کپڑا مکان، صحت اور تعلیم کے بعد انسانی ضرورت اب ضرورت سے آگے بڑھ کر سہولت یعنی Comfort اور خواہش یعنی Desire کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ انسانی ضرورت

کی تو ایک حد معلوم ہے لیکن سہولت اور خواہش کی کوئی حد موجود ہے اور نہ ہی معلوم۔ ع

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مِرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اب اگر ہم صرف انسانی ضرورت کی بات کریں تو کوئی بھی انسان جس کا وجود سلامت ہے محنت کرکے اپنی مذکورہ ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ یہ بہت سادہ سی بات ہے لیکن سیاسی مقتدرہ جسے آجکل ہم ریاست یعنی State کہتے ہیں ضرورت اور سہولت کے نام پر ایک عام انسان کا زبردست جسمانی و ذہنی استحصال کرتی ہے جس کا بدلہ پھر ایک اعلیٰ ریاستی کارندہ ریاست کے وسائل پر قبضے کی صورت میں لیتا ہے۔

یہ ایک ایسا سیاسی گھن چکر ہے کہ اِس سے صرف وہی باہر نکل سکتا ہے جس کی ریاست کے وسائل تک رسائی ہو گئی۔ جب ریاست جیسا استحصال پر مبنی ڈھکوسلہ موجود نہیں تھا تو ایک انسان محنت کرکے کسی بھی دوسرے انسان سے محنت کے بدلے اپنی ضرورت پوری کرلیتا چنانچہ موچی درزی کا جُوتا بنا

دیتا اور درزی موچی کا کُرتا سی دیتا اور یوں معاملہ بہت صاف اور مخلصانہ رہتا۔ کسی کو بھی ضرورت سے زائد سرمایہ جمع کرنے کا نہ تو خیال آتا اور نہ ہی وہ اِس معاملے میں کسی بد دیانتی کا ارتکاب کرتا۔ یہ دراصل ابتدائی اشتراکی معاشرہ تھا جس کو پھر سے قائم کرنے کیلئے ہم نے گزشتہ صدی میں انسانیت پر ظلم کے پہاڑ گرا دیئے یعنی آسمان سے گِرا کھجور میں اَٹکا۔

انسان کی سب سے سنگین غلطی یہی تھی کہ اُس نے قیمتی دھاتوں کو دولت کا درجہ یعنی Status دیا۔ یہ ایک عظیم انسانی اَلمیہ ہے کہ ہم دھات کو دولت سمجھ بیٹھے اور جو کچھ ہمارے شعور کی اصلی بنیاد تھی یعنی ایمان، روشن ضمیری اور محبت و ہمدردی اُس سے اعراض کر بیٹھے۔ یہی وہ نامراد موقع تھا کہ جب ہم نے دھات کو دولت سمجھا اور پھر یہی سوئے فہم یہاں تک پہنچا کہ آج ہم کاغذ کے رنگ برنگے ٹکڑوں کو سرمایہ سمجھتے ہیں اور پھر اِسی سرمایہ کو اُوپر اُٹھا کر خدا کا درجہ دے دیا۔ انسانی فطرت کا یہ بدترین مظہر بہت جلد انسانیت کو نیست و نابود کرنے والا ہے۔

حقیقی دولت یعنی انسانی محنت و قابلیت اور ایمان و روشن ضمیری پر جب دھات نے تصرف حاصل کیا تو انسان اِسی مصنوعی دولت کا بندہ بن گیا اور یہ مصنوعی دولت اِسی انسان کا خدا۔ ایک ایسا کارساز خدا جس نے انسان کی نہ

صرف ضرورت بلکہ سہولت اور پھر سہولت سے بہت آگے ایک لامحدود خواہش کو عملی جامہ پہنا دیا۔ یہ معاشی خدا جس انسان کے ہاتھ آیا وہ انسان بندگانِ سرمایہ کا رسول بن بیٹھا چنانچہ پھر اُسی نے طے کیا کہ کس کو کتنا سرمایہ دینا ہے اور کتنا اپنے پاس محفوظ رکھنا ہے۔ یوں آج تک دنیا میں مذہبِ سرمایہ داری کا سلسلہ چل رہا ہے۔

اب آجائیں واپس بینک کی جانب۔ ریاست اپنی اصل میں ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے یعنی یہ کوئی حقیقی شے نہیں ہے بلکہ انسانوں پر قبضے کا ایک معقول طریق ہے۔ اِسی ریاست کی بنیاد بینک ہے۔ ریاست کے پاس اپنا کوئی سرمایہ نہیں ہوتا بلکہ عوام سے براہِ راست یا عوام کے وسیلے سے مشقت کے سبب پیدا ہونے والا سرمایہ ہوتا ہے جسے ریاست دھات کی صورت میں محفوظ کر لیتی ہے۔ چنانچہ جتنی دھات اُسی قدر ریاست کی معاشی حیثیت۔

عالمی بینک یعنی The World Bank جہاں آج کا عظیم معاشی خدا ڈالر پیدا ہوتا ہے پوری دنیا کے ذیلی بینکوں کا مواخذہ کرتا رہتا ہے کہ اُن کے پاس کتنی مقدار میں دھات موجود ہے۔ اگر کسی ریاست کے بینک کے پاس دھات کم مقدار میں موجود ہوتی ہے تو اُسے ایک اور معاشی عبادت گاہ بین الاقوامی معائناتی دولت یعنی International Monitoring Funds

کے سپرد کر دیتا ہے تا کہ وہ پھر مصنوعی دولت کے ذریعے اُس مفلوک الحال ریاست کو لامحدود وقت کیلئے یرغمال بنالے۔ عالمی بینک سے تو کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ آپ کے پاس کتنی مقدار میں دھات موجود ہے اور آپ اِس کے مطابق مصنوعی دولت پیدا کر رہے ہیں یا اِس سے زیادہ لیکن تیسری دنیا یعنی Third Word کے سرکاری بینکوں پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ وہ محفوظ دھات کے مطابق کاغذ چھاپیں۔ کاغذ یعنی زرِ فرمان جس کی قدر صرف اتنی ہے کہ 17 سینٹ (اندازاً) کے کاغذ پر سو ڈالر لکھ دیا جاتا ہے اور ہم چپ کر کے مان لیتے ہیں کہ اِس رنگین مطبوعہ کاغذ کے ٹکڑے کی قدر سو ہے۔ کچھ یہی حال ہماری کرنسی کا بھی ہے۔

یہ بینک ہی ہے کہ جو یہ جعلی دولت پیدا کر کے ریاست کے زور سے عوام پر مسلط کر دیتا ہے۔ پھر عوام بھی چپ کر کے اِسے خدا مان لیتی ہے۔ نہیں۔ مان نہیں لیتی بلکہ اپنے عمل سے ثابت کرتی ہے کہ یہ مصنوعی دولت خدا کارساز ہے۔ بینک وہ لعنتِ متعدی ہے کہ اگر دنیا سے اِس مسجدِ ضرار کا خاتمہ ہو جائے تو دُکھی انسانیت سکھ کا سانس لے لے مگر ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ مذہبِ سرمایہ داری کے رسول یعنی سرمایہ دار نہیں چاہیں گے کہ اِن کی مضبوط معاشی عبادت گاہ یعنی بینک ختم ہو اور وہ کنگلے ہو کر مَر کھپ جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ تو دھات دولت ہے اور نہ ہی بینک کے پیدا کردہ یہ جعلی کاغذ کے ٹکڑے لیکن عالمی بینک کی عالمگیر بدمعاشی کے سبب اب یہ کاغذ کے ٹکڑے پوری دنیا میں دولت کی ایک مسلّمہ صورت اختیار کر چکے ہیں۔ کاغذ کے اِن ٹکڑوں میں سب سے زیادہ قدر ایک عرب ملوکی سلطنت کویت کا کاغذ رکھتا ہے جس کا صرف ایک نوٹ یعنی ایک کویتی دینار پاکستان کے نو سو دس روپے بنتے ہیں۔ اِس کے بعد پھر یو کے کا کاغذ پاؤنڈ اور پھر اِس کے بعد امریکہ کے مضبوط معاشی خدا ڈالر کا نمبر آتا ہے۔

یہ سب جعلی دولت بینک ہی پیدا کرتا ہے،یعنی بینک پیدا کرتا ہے اور ریاستیں عوام پر مسلط کرتی ہیں۔ بس یہی آج کا سب سے مضبوط اور عوامی مذہب ہے یعنی مذہبِ سرمایہ داری۔

سرکاری بینک کاغذی دولت پیدا کرتا ہے جبکہ پرائیویٹ بینک اِس کاغذی دولت کو اپنے پاس محفوظ رکھ کر بہت ہی تکنیکی طور پر عوام کا استحصال کرتا ہے۔ اِس کو اچھے سے سمجھنا ہو گا۔ عوام اپنی اضافی مصنوعی دولت بجائے اِس کے کہ اپنے پاس محفوظ کر کے رکھیں ، سیدھا بینک میں جمع کرا دیتے ہیں۔ بس یہیں سے بینک کا استحصال شروع ہونے لگتا ہے۔ ہم عرض کر چکے کہ بینک کے پاس اپنا کوئی سرمایہ نہیں ہوتا اور نہ ہی بینک حقیقی سرمایہ پیدا کر

سکتا ہے۔ بینک کا کام صرف مصنوعی دولت پیدا کرنا اور پھر اُس دولت کے ذریعے عوام کا استحصال کرنا ہے۔ چنانچہ ایک پرائیویٹ بینک کے پاس جتنی بھی مصنوعی دولت ہوتی ہے وہ صرف اور صرف عوام کی ہوتی ہے۔ بینک ایک محفوظ خانہ (Archive) کی حیثیت سے اِس پرائی دولت کی حفاظت کرتا ہے اور ضرورت کے حساب سے کھاتہ دار یعنی Account Holder کو واپس کرتا رہتا ہے۔

مثلاً ایک شخص کسی پرائیویٹ بینک میں پچاس لاکھ کے کاغذی نوٹس رکھتا ہے تو بینک اُس کا ایک کھاتہ کھول کر اُس میں وہ رقم منتقل کر دیتا ہے۔ اب بینک کرتا یہ ہے کہ اپنے کھاتہ دار کو ایک رسید یعنی Deposit Slip دے دیتا ہے کہ آپ بے فکر ہو جائیں آپ کی رقم ہمارے پاس محفوظ ہو گئی۔ کچھ وقت پہلے بینک یہ رسید دیا کرتے تھے جبکہ اب جدید ٹیکنالوجی کی وساطت سے بینک اپیلی کیشن کے ذریعے کھاتہ دار کو موبائل یا کمپیوٹر کی سکرین پر کچھ اِس طرح کے ہندسے دِکھا دیتے ہیں کہ آپ کا پچاس لاکھ بینک کے کھاتہ میں محفوظ ہے۔ 5,000,000 یعنی پورے پچاس لاکھ روپے۔

اب اِسے مَیں ہندسہ جاتی دولت Digital Money کہتا ہوں جس کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہوائی سرگرمی ہے۔ یوں اپنے کھاتہ دار کو یہ ہوائی

سات ہندسے دِکھا کر بینک پچاس لاکھ روپے ایک دوسرے کھاتہ دار کو بطورِ کھتونی دولت یعنی Debt Money ایک خاص منافع یعنی Mark up کی شرط پر بطورِ قرض دے دیتا ہے۔ یاد رکھیں کہ کھتونی دولت یعنی قرض در حقیقت کوئی دولت ہی نہیں ہے یعنی نہ تو یہ حقیقی دولت ہے اور نہ ہی مصنوعی۔ مصنوعی اِس لئے نہیں کہ یہ دولت آپ کی مِلکیت ہی نہیں ہوتی بلکہ کسی اور کی دولت بغیر کسی محنت کے آپ کے سپرد کر دی جاتی ہے تاکہ آپ اپنا کام چلا سکیں۔

پھر یہی دولت جو نہ تو حقیقی تھی اور نہ ہی مصنوعی آپ بینک کو واپس کرتے ہیں پندرہ یا بیس فیصد اضافی رقم کے ساتھ۔ یوں بینک اپنے کھاتہ دار کو کھتونی دولت جو بینک کی تھی ہی نہیں بلکہ بینک کے کسی دوسرے کھاتہ دار کی تھی دے کر قرضدار سے اُس کی کمائی ہوئی دولت اینٹھ لیتا ہے اور یہ سلسلہ جب مسلسل جاری رہتا ہے تو بینک اپنے پاس اچھی خاصی مصنوعی دولت جمع کر لیتا ہے۔ یہی حکمتِ عملی پوری دنیا میں بینک کا کُل گزر بسر ہے اور اِس نہایت خفیہ دھوکہ دہی کے بغیر دنیا کے تمام بینک ایک دن بھی گزارا نہیں کر سکتے۔

مثلاً اگر کسی صبح ایک پرائیویٹ بینک کے تمام کھاتہ دار بینک سے اپنی رقم کا فوری طور پر مطالبہ کر لیں تو بینک اُسی دن شام سے پہلے پہلے دیوالیہ ہو جائے

گا۔ اِس خاص معاشی سرگرمی کو معاشی اصطلاح میں Bank Run کہتے ہیں۔ پس مزید معلومات کیلئے وِکی پیڈیا پر انگریزی پیج Bank Run List چیک کرلیں۔

سرکاری بینک مصنوعی دولت پیدا کرتا ہے تو پرائیویٹ بینک اُس مصنوعی دولت کو جو اُس کے پاس کھاتوں کی صورت میں محفوظ ہوتی ہے استعمال کرکے اپنے لئے ذاتی دولت پیدا کرتا ہے جس پر بینک کا کوئی استحقاق ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ کھاتہ داروں کی دولت ہوتی ہے۔

بینک کے اِس معاشی دجل کو عام آدمی نہیں سمجھ سکتا اِس لئے تنخواہ دار طبقہ عموماً اپنی تمام تر اضافی دولت بینکوں کے حوالے کر دیتا ہے۔

عوام کی بس یہی وہ لاعلمی اور سہل پسندی ہے جس کے سبب پوری دنیا میں بینک ریاستوں میں الگ سے اپنی معاشی ریاستیں بنائے ہوئے ہیں۔ پس جب تک مصنوعی دولت موجود ہے بینک بھی موجود ہے یعنی بینک اور مصنوعی دولت لازم وملزوم ہیں۔

☆☆☆☆☆

جنت اور دوزخ Monemax and Monelax

اَمارت اور غربت

کیا وقت تھا جب حقیقی دولت ایمان ، محنت اور قابلیت ہوا کرتی۔ تمام تر اخلاقی اقدار اپنی آب و تاب کے ساتھ موجود تھیں۔ ناس ہو دینِ سرمایہ داری کا جس نے انسان کو ایک جنس بنا کے رکھ دیا۔ کیا مذہبی و کیا غیر مذہبی سبھی آج بندگانِ دینِ سرمایہ داری بن چکے ہیں۔ ع

ہے وہی سرمایہ داری بندۂِ مومن کا دیں

انسانیت، انسان کی محنت،ایمان، قابلیت، عزت، محبت، تعلق حتیٰ کہ جسم تک کاغذ کے اِس ٹکڑے کے آگے سربسجود ہیں جسے مَیں نے معاشی خدا یعنی Theomoney کہا ہے۔ آج انسان سمیت انسان کا سارا کچھ برائے فروخت بن چکا ہے اور دھڑا دھڑ بِک رہا ہے اور جہاں بِک رہا ہے اِسے ہم آزاد منڈی یعنی Free Market کہتے ہیں۔ یہ ایسی منڈی ہے جس میں آپ کچھ بھی بیچ سکتے ہیں اور جہاں ہر چیز کی ایک قیمت مقرر ہو چکی ہے۔

اب وہ دن لد گئے جب لوگ مانتے تھے کہ علم بڑی دولت ہے یعنی Knowledge is Power۔ آج سب سے بڑی دولت کرنسی ہے اور

اِسی جعلی دولت نے انسانی معاشرت کو ایک بازار بنا کے رکھ دیا اور جہاں انسان صرف اپنے مفاد کا بندہ بن کے رہ گیا ہے۔اِس مفاد پرستی یعنی Utilitarianism میں ایک انسان صرف اُس صورت میں اپنا وجود قائم رکھ سکتا ہے جب اُس کے پاس کرنسی ہو یا پھر کرنسی حاصل کرنے کے وسائل،علاوہ ازیں وہ اِس بازار میں لاشے یعنی Nothing ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب سب سے بڑی دولت کرنسی ہے اور اُسی کو ہم خدا مان چکے ہیں تو پھر کوئی جنت دوزخ بھی تو ہونی چاہیئے۔جی ہاں۔ جنت بھی ہے اور دوزخ بھی۔ جن کے پاس یہی مصنوعی دولت وافر مقدار میں موجود ہے وہ جنت میں ہیں اور جن کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں وہ دوزخ میں جی رہے ہیں۔ مذہبِ سرمایہ داری کا روزِ محشر بھی یہیں لگ چکا جس میں امیر جنتی اور غریب دوزخی بن چکا ہے۔

انسان برائے فروخت ہے اور وہ انسان جس کے پاس وافر مقدار میں مصنوعی دولت موجود ہے وہ ایک شاندار خریدار ہے۔ وہی طے کرتا ہے کہ انسان کی کیا قیمت ہو گی اور وہی طے کرتا ہے کہ سیاسی مقتدرہ کس کروٹ بیٹھی گی یعنی سادہ الفاظ میں سیاست دراصل سرمایہ دار کی لونڈی ہے۔ اِس کے برعکس غریب کا نہ تو کوئی ملک ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ریاست۔ نہ کوئی

خدا اور نہ ہی کوئی دنیا و آخرت۔ نہ کوئی اپنا اور نہ ہی کوئی پرایا۔ نہ کوئی دشمن اور نہ ہی کوئی دوست۔ پس غریب کی زندگی معاشی خدا سے دوری کے سبب جہنم کا ایک کامل نمونہ ہوتی ہے۔ یہ وہ غریب ہے جس نے اِس کائنات کے قادر مطلق اور رازق خدا کو چھوڑ کر انسان کے اپنے بنائے ہوئے خدا کی اطاعت قبول کرلی۔

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ۔(سورہ الجاثیہ۔ آیت 23)

"کیا تم نے نہیں دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا۔"

ایسے غریب کو جینے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ خواہشات تو ایک طرف عام سہولت اور آسائش پر بھی اُس کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ ریاست کا یہ حال ہے کہ غریب کی برائے نام سی مزاحمت کے سبب سرمایہ داروں کا بچا کُھچا کتے کی طرح اُس کے آگے ڈال دیتی ہے۔ بظاہر تو یہ رقم کروڑوں ڈالرز میں ہوتی ہے لیکن اِس سے نہ تو غربت کا مکمل خاتمہ ہوتا ہے اور نہ ہی غریب مستقل طور پر غربت کی دلدل سے نکل پاتا ہے بلکہ ریاست کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ بہر صورت غریب تھوڑے پر ہی گزارا کرتا رہے تاکہ دینِ سرمایہ داری کا یہ مکروہ دھندہ یونہی کامیابی سے چلتا رہے۔

آج ہم ایک ایسی اذیت ناک دنیا میں رہ رہے ہیں جہاں مصنوعی دولت کے بغیر ہم سیدھا دوزخ کا ایندھن بن جاتے ہیں۔ ایک ایسی دنیا کہ جس میں ایک غریب صرف اُس وقت غریبی سے نکل سکتا ہے جب اُس کے پاس مصنوعی دولت پیدا کرنے کے مستقل ذرائع موجود ہوں ورنہ اُس غریب کی کئی نسلیں یونہی دوزخ کا ایندھن بنتے بنتے گزر جاتی ہیں۔

حقیقی قادر مطلق خدا جس نے اپنے انبیاء کے ذریعے عدل وانصاف کا وعدہ کر رکھا ہے وہ تو اپنا انصاف قائم کر کے رہے گا پھر چاہے کوئی اُس پر یقین کرے یا نہ کرے۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ۔ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ۔ اَلَّذِیْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ۔ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ۔ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ۔(سورہ النبأ۔ آیات۔ 1 تا5)

"یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟، کیا اُس بڑی خبر (روزِ حساب) کے بارے میں؟، جس کے متعلق یہ مختلف چہ میگوئیاں کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ہر گز نہیں، عنقریب یہ جان لیں گے، پھر ہر گز نہیں، عنقریب یہ جان لیں گے۔"

حقیقی خدا کو چھوڑ کر اپنے نفس کو خدا بنا لینے کی سزا تو انسانیت ابھی بہت لمبا بھگتے گی بلکہ ابھی تو بس یہی شاید انسانیت کا مقدر ہو۔ لیکن پھر شاید یہ بھی ممکن ہو کہ ایک بار پھر سے انسانیت حقیقی خدا کے آگے ویسے ہی مربوط ہو جائے جو کبھی نبوتِ محمدی کے اوّلین ایام میں تھی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ (سورہ الحجرات۔ آیت 15)

"حقیقت میں تو مؤمن وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے، پھر اُنھوں نے اِس اَمر میں کوئی شک نہ کیا، اور اپنی جانوں اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی سچے لوگ ہیں۔"

یاد رکھیں کہ اِس وقت تمام مذاہب مظلوم ہیں پھر چاہے وہ اسلام ہو، مسیحیت ہو یا پھر ہندو مت۔ یہ مذاہب سے اجنبیت کا دور ہے اور اِس دور میں انسان مذاہب کو اپنے مفادات کیلئے وقف کر چکا یعنی جیسے انسان کی خواہش ویسے اُس کی مذہبی تعبیر۔ پس لُٹیرا اِس کے وسیلے سے اپنی لُوٹ مار کا جواز نکال لیتا ہے تو سرمایہ دار اپنے سرمایہ کے تحفظ کیلئے اِسے کچھ اور ڈھنگ سے استعمال کر لیتا ہے۔ اِس کام کیلئے ہر مذہب میں مولویت کا ادارہ موجود

ہے جہاں سے سرمایہ دار، سیاسی مقتدر، اسلحہ بردار چوکیدار، معزز لُٹیرا اور شری چار سو بیس اپنی مطلب براری کروالیتا ہے۔

اِس وقت آزاد منڈی نے انسان کو ایک جنس(Commodity) بنادیا ہے اور انسانی اقدار کو بالکل بے مول کر دیا ہے چنانچہ اب لوگ ایمان، تقویٰ، روشن ضمیری، محبت اور تعلق کو غیر ضروری اور وقت ضائع کرنے والی سرگرمیاں سمجھ کر ترک کر چکے ہیں۔

حقیقی مذاہب صرف ذاتی یا سیاسی مفادات کے تحفظ کیلئے وقف کر دیئے گئے ہیں جبکہ جعلی مذاہب یعنی مذہبِ نفسانیت (Secularism)، مذہبِ سرمایہ داری(Capitalism)، مذہبِ وطن پرستی(Nationalism)، مذہبِ آزادی (Liberalism) آج حقیقی مذہب کی صورت اختیار کرکے پوری دنیامیں راج کررہے ہیں۔

مذہبِ سرمایہ داری آج انسانی معاشرت کا بِلا شرکتِ غیرے ایک مسلّمہ مذہب بن چکا ہے۔ سرمایہ دار اِس مذہب کا رسول ہے۔ جس کے پاس وافر مقدار میں مصنوعی دولت موجود ہے وہ جنتی اور جس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ دوزخی ہے۔ سب بِکتا ہے کے نعرے جاری ہیں اور انسانی فضیحت کی ایسی

زبردست گرم بازاری عروج پر ہے کہ غریب اِس میں دونوں ٹانگوں سے گھسیٹا جا رہا ہے اور امیر مزے لے رہا ہے اور اِس پر ظلمِ عظیم یہ کہ ظالم مواخذہ سے بے فکر ہو چکا اور مظلوم ہتھیار ڈال چکا ہے۔ اگر کہیں کوئی غیر منظم مزاحمت پیدا بھی ہو جائے تو اُسے دہشت گردی قرار دے کر اُس کا قلع قمع کر دیا جاتا ہے۔

یہ دنیا انصاف کے اُصول پر نہیں بلکہ انسانی اختیار کے امتحان کے اُصول پر قائم ہے۔ یہاں انسان جس طرح کا چاہے شر پیدا کر سکتا ہے پس اگر یہ آزادی نہ ہو تو امتحان کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔ (سورہ الملک۔ آیت 2)

"وہ اللہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی تاکہ تمہیں پرکھ سکے کہ تم میں سے کون نیک اعمال اختیار کرتا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر کرنے والا بھی۔"

لیکن یہ اُصول تو اُسی کیلئے مؤثر ہو سکتے ہیں جو خدا قادر مطلق کو شعوری طور پر تسلیم کر چکا ہو اور اُس کی کامل عبودیت اختیار کر چکا ہو۔ ایسا شخص جس کا

خدا اُس کا اپنا نفس ہو اُس کیلئے کیا خدا اور کیا خدا کی ہدایت۔یہی وہ نفس پرستی ہے جس کا لازمی نتیجہ آج ہم جعلی مذاہب کی صورت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جب انسان حقیقی خدا سے کٹ جاتا ہے تو وہ کیسے کئی مصنوعی خداؤں کے چنگل میں پھنس جاتا ہے۔یقین کرنے والوں کیلئے نہ تو یہ دنیا کوئی عذاب ہے اور نہ ہی فقر اُن کا کچھ بگاڑ سکتا ہے کیونکہ ایسے لوگوں کو یہ یقینِ کامل حاصل ہو جاتا ہے کہ "ایمان" ہی ہمارا اصل سرمایہ ہے اور ہم نے یہی ایمان والا دل لے کر خدا کے ہاں پیش ہونا ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔

(سورہ الشعراء۔ آیات 89-88)

"جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے، مگر وہ جو اللہ کے ہاں ایمان یافتہ دل لے کر آئے گا'یعنی وہ کامیاب ہوا'۔"

☆☆☆☆☆



سید المجاذیب خواجہ نعمان نیئرؔ کلاچوی صوبہ خیبر پختونخواہ کی ایک دور اُفتادہ تحصیل کلاچی کے باسی ہیں۔ آپ ایک جامع العلوم شخصیت ہیں۔ آپ بیک وقت مذاہبِ عالم، علم الکلام و فلسفہ، شعر و اَدب، صحافت و بلاغت، معاشرت و سیاست، نفسیات و روحانیات اور رقص و موسیقی پر گہری گرفت رکھتے ہیں۔ آپ ایک طویل عرصے سے مسلسل گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے ہیں اور دریں اثناء علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ماڈرن فلاسفی اور علمِ نفسیات پر آپ کا علمی کام اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں انٹرنیٹ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ چھ کتابوں " عشق کی سائنس "، "تصوف کی ڈکشنری" ، "صراطِ دانش"، " سوزِ نہاں" ، "قبیلہ نور احمد خیل" اور " Trek to Intellect "کے مصنف ہیں۔علاوہ ازیں دیگر کئی مقالات و علمی شذرات کے بھی موئلف و مصنف ہیں۔زیرِ نظر مقالہ بھی آپ ہی کی علمی و تحقیقی جہد کا ماحصل ہے۔